تاریخ الفقہ

تاریخ فقہ اسلامی کا تجزیاتی مطالعہ

﴿پہلی قسط﴾

﴿علامہ محمد ابوزہرہ مصری﴾

(ترجمہ: معراج محمد بارق)

الحمد اللّٰہ رَبّ العالمین وصلیّ اللّٰہ علیٰ نبیّہ محمّدٍ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم وعلیٰ آلہٖ وصحبہ اجمعین ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی امین بنا کر بھیجا۔ اور آپ ﷺ نے اپنے رب کا پیغام (لوگوں کو) پہنچایا، شریعتِ الٰہی کی پوری وضاحت فرمائی، حتیٰ کہ آپ ﷺ اپنے بعد کے لوگوں کو ایسی واضح راہ پر لگا کر رخصت ہوئے جس کی رات، دن کی طرح روشن ہے۔ اس راہ پر چلنے والا کبھی نہیں بھٹکتا۔ حق اپنے طالب سے کبھی مخفی نہیں رہتا۔ چاہے اس کے پاس کوئی چراغ نہ ہو سوائے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، ہاں البتہ اس کو عقلِ سلیم اور فہم مستقیم دی گئی ہو، اور اس کے سینہ میں نورِ اخلاص سے روشن دل ہو، کیونکہ وہ ان کی درست رہنمائی کی روشنی میں اس راہِ مستقیم پر چل کر شریعت کے اصل مصادر اور ماخذ کو سمجھنے کی قابلیت حاصل کر لے گا۔ اس راہ میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ کوئی رکاوٹ۔ اس راہ پر چلنے والے کو اسلامی شریعت کے اصل مقاصد و مطالب کی فہم عطا ہو گی، مرتب و منظم نتائج اس کے سامنے آئیں گے۔ اس کے علاوہ وہ اسلامی تعلیم کے حقائق کو ایک مرتب و منظّم علمی لڑی میں باہم ایسا مربوط کر سکے گا جیسے ایک ہار میں موتی ہوتے ہیں

ر وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

....

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال سے قبل وجودِ انسانی کو اسلامی تعلیم اور اس کے حقائق سے روشن کر دیا تھا، عقیدہ کے لحاظ سے بھی اور اخلاق و آداب اور قوانین کے لحاظ سے بھی (یعنی شریعت کے تینوں شعبوں کی تعلیم ان کو دے دی تھی) پھر یہ اسلامی تعلیمات آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے ہمیں پہنچائیں۔ وہ درحقیقت روشن ستاروں کی طرح تھے، جو (مختلف مقامات پر) چمک کر اپنی روشنی پھیلا رہے تھے تاکہ ہماری عقلیں روشن ہو کر صحیح راہ پائیں اور علمِ رسالت سے پوری طرح مستفید ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے بارے میں یہی فرمایا ہے کہ

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَ یْتُمُ اهْتَدَ یْتُمْ۔

میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

یہ اصحابؓ علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل تھے جس کو انہوں نے اپنے بعد والی نسلوں کو منتقل کیا اور اس طرح دراصل انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری کی، کیونکہ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنا کلام دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا اور فرمایا:

نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاهَا کَمَا سَمِعَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَا فِقْهَ لَهٗ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ اس شخص کا چہرہ تروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی اور جیسی سنی تھی ویسی ہی (حافظہ میں) محفوظ رکھی (اور آگے

۱۔ مشکوٰۃ، کتاب العلم

دوسروں کو پہنچا دی) کیونکہ بہت سے سننے والے (اس سنی ہوئی
بات میں موجود) حکمتوں کو سمجھ نہیں سکتے، اور بہت سے سننے والے
اس بات کو اپنے سے زیادہ سمجھ دار لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

درحقیقت یہی عالی مرتبہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنہوں نے وحی کے مواقعِ نزول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ ان موقعوں پر خود موجود تھے۔ انہوں نے نبوت کے علوم و معارف کا علم خود اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ سن کر حاصل کیا تھا۔ ان کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس امانت کو عہدِ رسالت کی خوشبو سے معطر اور نورِ نبوت کی ضیا پاشیوں سے روشن صورت میں، اُس کے اصل جلال و جمال کے ساتھ اپنے بعد آنے والی نسلوں کو منتقل کر دیں۔ بالآخر یہی ہوا کہ عہدِ صحابہؓ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ انہوں نے کلامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاکم و کاست پورا کا پورا اگلی نسل کو منتقل کر دیا۔ اگر کوئی حدیث بعض صحابہؓ کو معلوم نہیں ہوتی تھی تو اس کا علم دوسرے صحابہؓ کو ہوتا تھا۔ امام شافعیؒ نے (مل کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات و واقعات اور آپ ﷺ کے تمام اقوال و فتاویٰ بیان کر دیئے ہیں۔

اس لحاظ سے اگر ہم دیکھیں تو عہدِ رسالت اگر شریعت کی تبلیغ کا دور ہے تو عہدِ صحابہؓ اس کو (حافظہ میں) محفوظ رکھنے اور اپنے بعد آنے والوں کو اسی اصل حالت میں منتقل کرنے کا زمانہ ہے جیسے وہ عہدِ نبوت میں بیان کی گئی تھی۔

واضح رہے کہ صحابہ کرامؓ کا کام صرف یہی نہیں تھا کہ وہ احادیث و اقوالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعینہٖ دوسروں تک پہنچا دیں، بلکہ ان کا منصب یہ بھی تھا کہ اگر کسی مسئلہ میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہ ملے تو وہ استنباط و اجتہاد سے کام لے کر اپنی رائے قائم کریں۔ اس سلسلہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہدایت فرمائی اور اجتہاد کرنے کی ترغیب دی، اور اس کو کارِ ثواب قرار دیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

لِلْمُجْتَهِدِ اِذَا اَصَابَ اَجْرَانِ وَاِذَا اَخْطَأَ اَجْرٌ وَاحِدٌ۔

مجتہد جب درست اجتہاد کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں، اور اگر وہ

غلطی کرے تو ایک اجر ہے۔

گویا دونوں حالتوں میں اُسے اجر ملتا ہے۔اسی لئے علماء نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ جو شخص اجتہاد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اس پر اجتہاد کرنا فرضِ کفایہ ہے۔معتبر راویوں سے حدیث مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو اُن سے فرمایا:

تم (لوگوں میں) کس (قانون) سے فیصلہ کرو گے؟

حضرت معاذؓ نے جواب دیا:

میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا؟

آپ ﷺ نے پوچھا:

اگر اس میں تمہیں کسی مسئلہ یا قضیہ کا حکم نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟

انہوں نے جواب دیا:

پھر میں سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروں گا۔

آپ ﷺ نے پوچھا: اگر اس میں بھی حکم نہ ملے تو پھر؟

انہوں نے جواب دیا: پھر میں خود کوشش (اجتہاد) کروں گا اور اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھوں گا۔

ان کا یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ کو وہ بات سُجھائی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے۔

واضح رہے کہ صحابہ کرامؓ کا اجتہاد (عام اجتہاد کی طرح نہیں تھا بلکہ یہ) نورِ نبوت ہی کا ایک حصہ تھا کیونکہ وہ شریعت کے اغراض و مقاصد دیگر لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ لٰہذا ان کی رائے عام رائے نہیں تھی۔بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور پیروی تھی۔یہی بات حضرت امام مالکؒ نے فرمائی ہے، ان کا قول ہے:

صحابہ کرامؓ کے اجتہاد و فتاویٰ رائے تو ہیں مگر وہ (عام) رائے (کی

طرح) نہیں ہیں۔

یہ اس لئے کہ ان کے اقوال حقائقِ شریعت پر کسی طرح کا تجاوز یا ان سے انحراف نہیں ہیں بلکہ انہوں نے سرچشمۂ نبوت و شریعت سے جو کچھ سیکھا تھا اور جو اقوال لسانِ نبوت سے سنے تھے، اور آپ ﷺ کے جو اعمال و افعال اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے، تو اسی براہِ راست حاصل کئے ہوئے علم سے ان صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ و اجتہادات مقید تھے۔

امام ابن قیم جوزیہؒ نے اسی حقیقت کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

> صحابۂ کرامؓ کی آراء میں سے بہت سی رائیں دراصل سنتِ (نبویہ) ہیں، کیونکہ ان میں سے بہت سے صحابہؓ فتویٰ دیتے وقت اُس قول کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی بجائے خود اپنی طرف منسوب کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کو اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں ان کو اشتباہ نہ ہو گیا ہو (اور اس اشتباہ کے نتیجہ میں کہیں وہ اپنی رائے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کر دیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس وعید کے سزاوار نہ بن جائیں کہ "جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔"

جمہور مسلمین نے صحابہ کرامؓ کے اقوال و فتاویٰ کو سنتِ رسول ﷺ سے ملحق کیا ہے اور یہ صحیح بھی ہے، کیونکہ ان کے اقوال میں یا تو کسی سنتِ نبوی کا بیان ہوتا ہے، یا وہ اقوال آپ ﷺ کی کسی وحی سے مستنبط ہوتے ہیں، اور ہر حال میں اسی سرچشمہ سے جاری ایک چشمہ اور اسی نور سے نکلا ہوا ایک نور ہوتے ہیں۔

....

الغرض اس طرح صحابہ کرامؓ نے فقہِ نبوی کا ایک وافر ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑا۔ یہ ذخیرۂ فقہ یا تو صاف طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منصوص تھا یا آپ ﷺ کے اقوال و افعال سے مستخرج و مستنبط تھا یا جن مقاصدِ اسلام اور اغراضِ شریعت کا ان کو علم تھا

اس پر منطبق تھا۔ اُن کے بعد اس علم اور ذخیرۂ فقہ کو ان کے تلامذۂ تابعینؒ نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا۔

اس زمانے میں صورتِ حال یہ تھی کہ ہر صحابیؓ کے ساتھ چند تابعیؒ ہوتے تھے جو ہمیشہ یا اکثر ان کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ان میں سے بعض تابعی تو کسی ایک مخصوص صحابیؓ کی صحبت و شاگردی کو اپنا شعار بنا لیتے یا زیادہ تر ان کی صحبت میں رہتے (اور ان کے مخصوص شاگرد کہلاتے) اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا علم اُن کے مولیٰ حضرت عکرمہؒ نے روایت کیا اور ان کا علم تفسیر حضرت مجاہدؒ نے۔اسی طرح حضرت عمرؓ کا علم نقل کرنے والے حضرت سعید بن المسیبؒ اور ان کے چند دوسرے ہمعصر تابعی تھے۔اور حضرت عبداللہ بن عمر کا علم محفوظ کرنے والے ان کے مولیٰ نافعؒ تھے۔

ادھر عراق میں جو صحابہ کرامؓ تشریف لے گئے تو وہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علم ہم تک پہنچانے والے حضرت علقمہؒ اور ابراہیم نخعیؒ تھے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا علم (اگلی نسلوں کو) منتقل کرنے والے آلِ بیت وغیر ہم تھے۔اس کے علاوہ ان کی بعض آراء و فتاویٰ جو حقائق کا نچوڑ تھے ان کا علم بعض صحابہ کرامؓ کو تھا۔ان کی بعض رائیں اور فیصلے اُلجھے ہوئے قضیوں اور بعض پیچیدہ مسئلوں کو سلجھا کر عیاں کر دیتے تھے۔یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کو بھی جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو فرماتے:

> ''یہ (مشکل) مسئلہ درپیش ہے اور اس کو حل کرنے کے لئے ابوالحسن (علیؓ) موجود نہیں ہیں۔''

یہ سب تابعینؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ اور آپ کے افعال و تقریرات کے بارے میں مروی تمام آثار کو نقل کرتے رہے اور لوگوں سے بیان کرتے رہے۔اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ کا علم بھی نقل کرتے رہے جس پر یہ مزید تخریج کرتے تھے، اور یہ تابعین حضراتؒ صحابہ کرامؓ کے اجماع اور ان کے متفق علیہ فتاویٰ کو حجتِ قطعیہ سمجھتے تھے اور اس کے اتباع کو لازمی قرار دیتے تھے۔اگر ان میں اختلاف تھا تو صرف اس بات پر کہ اُن کے اقوال و فتاویٰ میں سے قابلِ ترجیح کون سا قول ہے۔ورنہ وہ ان کے مجموعی اقوال و فتاویٰ

سے باہر نہیں نکلتے تھے، بلکہ اسی دائرہ میں رہتے ہوئے ترجیح اور تخریج کا عمل جاری رکھتے تھے۔ بیشتر صورتِ حال یہ تھی کہ ہر شاگرد تابعی صحابہؓ میں سے اپنے ہی شیخ کا اتباع کرتا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ تابعین اُن امور میں اجتہاد سے بھی کام لیتے تھے جن کی بابت انہیں کسی صحابیؓ کی رائے کا علم نہیں ہوتا تھا۔ ایسے معاملات میں وہ اجتہاد کر کے اپنی رائے قائم کرتے تھے جیسا کہ ان کے شیوخِ صحابہؓ کا طریقہ کار تھا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہد تابعین میں اجتہاد کے مختلف طریق کار اختیار کئے گئے جو بعض پہلوؤں سے ایک دوسرے سے مختلف تھے، لیکن ان میں سے کوئی بھی شریعت کے حلقہ اور سنت کے دائرہ سے باہر نہیں نکلا اور نہ منحرف ہوا۔ وہ سب کے سب کتاب و سنت اور علم صحابہؓ سے وابستہ رہے اور اسی وابستگی کو وہ گمراہی و ضلالت سے بچاؤ کا ایک ذریعہ سمجھتے رہے۔

ان کے اجتہاد کے طریق کار میں جو فرق پایا جاتا تھا اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً عراق کے فقہاء جب نصوصِ کتاب و سنت اور اقوالِ صحابہؓ میں کسی مسئلہ کا جواب نہ پاتے تو اجتہاد کرتے وقت زیادہ تر قیاس سے کام لیتے۔

اس کے برعکس فقہائے حجاز کا طریق کار دوسرا تھا۔ وہ اجتہاد کرتے وقت مصالحِ مرسلہ کو زیادہ تر پیشِ نظر رکھتے۔ ان میں سے ہر طریق اجتہاد کا ایک الگ مدرسہ اور مرکز قائم ہو گیا۔ اِن مدارس نے سب سے پہلے عہدِ تابعینؒ میں جڑیں پکڑیں، پھر یہ روز بروز پھلنے پھولنے لگے اور بالآخر تکمیل کے مراحل طے کر کے سب اپنی اپنی جگہ پختہ ہو گئے۔

یہاں ہم یہ بتاتے چلیں کہ بے شک صحابہ کرامؓ میں فقہی اختلاف موجود تھا، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، اور اسی طرح تابعین حضرات میں بھی یہ اختلاف پایا جاتا تھا جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں۔ در حقیقت فقہی مسائل میں فروعی اختلاف ہونے سے نہ مسلمانوں کو کوئی نقصان ہے اور نہ اسلامی حقائق و شریعت کو، بشرطیکہ ہر ایک کا مقصد حق بات تک پہنچنا ہو، اور کسی اختلافی رائے سے کوئی نص کالعدم نہ ہوتی ہو اور نہ کسی اصولِ اسلام پر زد پڑتی ہو، اور نہ مقاصدِ شریعت میں سے کوئی مقصد فوت ہوتا ہو۔

اس سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول قابلِ ذکر ہے۔ انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں باہم جو فقہی
اختلاف پایا جاتا ہے اُس سے مجھے اِس قدر خوشی ہوتی ہے کہ قیمتی
سرخ اونٹوں کے حاصل ہونے پر بھی نہ ہو۔ سوچو اگر سب صحابہ
کرامؓ ہر مسئلہ میں صرف ایک ہی رائے پر متفق ہوتے تو لوگوں کو
ہر معاملے میں کس قدر تنگی پیش آتی۔

....

اِن تابعین کرامؒ کے بعد طبقہ اولیٰ کے ائمہ مجتہدین آئے مثلاً ربیعہ رائیؒ، امام مالک بن انسؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام اوزاعیؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام لیث بن سعدؒ، اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے مجتہدین کرامؒ۔

یہ سب مجتہدینؒ تابعینؒ سے ملے، ان سے علم حاصل کیا، ان سے آثار و احادیث سنیں اور استنباط کے طریقے سیکھے۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے (کوفہ میں) ابراہیم نخعیؒ اور عطاءؒ اور حماد بن ابی سلیمانؒ وغیرہ سے علم فقہ حاصل کیا اور امام مالکؒ نے (مدینہ میں) محمد ابن شہاب زہریؒ اور قاسم بن محمدؒ اور ان جیسے دیگر تابعینؒ سے علم حاصل کیا جو فقہ میں مشہور تھے، اور ان میں سے بعض فقہائے سبعہ کہلاتے تھے، مثلاً حضرت عروہ بن زبیرؒ اور سلیمان بن یسارؒ وغیرہ۔

ان ائمہ کی بدولت پھر تو فقہ کا چشمہ جاری ہو گیا، تلامذہ کی کثرت ہوئی اور فقہ کا درس لینے والے روز بروز بڑھتے گئے۔ فقہ کے ممتاز علماء کی خوب قدردانی ہونے لگی، دُور دُور سے لوگ سواریوں پر آتے اور ان سے استفادہ اور مذاکرہ کرتے، اسی طرح ان کے فتوے بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ (منتقل) ہوتے ہوئے دُور دراز شہروں تک پہنچنے لگے۔

اُس زمانہ میں ایامِ حج ایک طرح سے علماء کی باہمی ملاقات کے دن بن گئے تھے۔ اِس مبارک موقع پر فقہاء ایک دوسرے سے علمی مذاکرے کرتے تھے، بلکہ بعض فقہاء تو ان دنوں حج کی نیت ہی اس غرض سے کرتے تھے کہ عبادت اور قربت الی اللہ کے ساتھ ساتھ وہ اکتسابِ علم بھی کریں گے، اور تقویٰ کے ساتھ ساتھ علم کو بھی زادِ سفر بنائیں گے کہ علم بھی

درحقیقت تقویٰ کا ایک حصہ ہے جبکہ اس کے حاصل کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے سوا کچھ نہ ہو۔ کیونکہ احادیثِ نبوی سے ثابت ہے کہ اہلِ علم کو فرشتے گھیرے رہتے ہیں۔

مزید براں ان حضرات کے پڑوس میں، اسلامی معاشرہ کے دوسری جانب اہلِ بیت حضرات تھے جو حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادگان سے مروی احادیث اور ان کی فقہ کو جمع کر رہے تھے۔ ان میں بعض مشہور ائمہ تھے جنہوں نے (اپنی) فقہ کی بنیادیں ڈالنے اور ان کو مضبوط کرنے میں پورا حصہ لیا۔ اِن ائمہ میں چند نمایاں نام یہ ہیں، حضرت زید بن علی زین العابدینؒ، ان کے بھائی محمد باقرؒ، ان کے بھتیجے امام جعفر صادقؒ، انہی میں سے امام عبداللہ بن حسنؒ، بھی تھے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شیخ و استاد تھے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک آلِ بیت کا ایک نمایاں مقام تھا۔

....

الغرض ائمہ فقہاء کے اجتہاد و اخلاص اور نیک نیتی کے نتیجے میں فقہ کا ایک ایسا مجموعہ وجود میں آیا جو اسلامی قوانین کا سب سے بڑا ذخیرہ تھا۔ اس طرح انسانی معاملات کو اسلامی طریقے سے طے کرنے کے قواعد و قوانین کا ایسا عظیم مجموعہ مدوّن ہو گیا جو اس سے پہلے (انسانی تاریخ میں) کبھی نہیں جمع ہوا تھا۔ اس مجموعہ میں نہ صرف انسانی افراد کے باہمی معاملات بلکہ مختلف انسانی گروہوں اور ریاستوں کے مابین معاملات کو درست طریقے پر فیصل کرنے کے قواعد بھی مندرج تھے۔

ان کے بعد آنے والی نسلوں نے اُن کی اس محنت کے پھل کی قدر کی اور پھر نسل در نسل اپنے تلامذہ کو یہ علمی اثاثہ منتقل کرتے رہے۔ انہوں نے اس کی تدریس اور اس پر مزید تخریج و تفریع کا سلسلہ جاری رکھا، اس طرح انہوں نے جو کچھ ورثہ میں پایا تھا اس میں علم کی جڑیں قائم کیں، جو رفتہ رفتہ بڑھ کر تناور درختوں کی شکل اختیار کر گئیں۔ یہ تناور درخت اس قدر عظیم تھے کہ جو بھی ان کے سائے سے مستفید ہونا چاہے وہ اس کو سایہ فراہم کرنے کے قابل تھے۔ ان فقہائے کرام نے جو بھی اجتہاد کیا اور تخریجات کیں ان میں وہ کتاب و سنت کی حدود سے باہر نہیں نکلے اور نہ ان کے طریقے کی خلاف ورزی کی، بلکہ پابندی

سے مومنین کے راستے پر گامزن رہے۔

در حقیقت فقہ کا یہ عظیم مجموعہ زمین پر نور کی روشن شاہراہ ثابت ہوا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ نے اپنے علمی احیاء (Renaissance) کے دور میں ان مسلم فقہاء کی قانونی آراء کو اپنی زبانوں میں منتقل کیا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ مالکی مذہب نے اندلس کو پار کر کے وسط فرانس بلکہ اس سے بھی آگے تک اپنا راستہ بنایا۔(۱) وسط یورپ میں اسلامی فقہ کی کتابوں کے ترجمے ہوئے، بلکہ انگلستان میں بھی مسلمانوں کے اِس علمی ذخیرہ کو انگریزی زبان میں منتقل کیا گیا۔

اب ہم (مغربی دنیا کے) اُن لوگوں کو دعوت دیتے ہیں جو اپنے آپ کو مستشرقین کہلاتے ہیں، اُن میں سے اکثر صرف ماہر لسانیات ہیں، فقہاء نہیں ہیں، لیکن پھر بھی ان میں سے اکثر بغیر کسی دلیل اور علمی سند کے اسلامی فقہ سے تعرض کرتے ہیں۔ ان کے دل میں اسلام کے لئے کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ وہ محض اوہام و شکوک کے پیچھے لگ کر انہی کی مدد سے "حقائق" ترتیب دیتے ہیں، الفاظ کو ان کی اصل جگہ سے ہٹا کر عبارتوں کے غلط معنی بیان کرتے ہیں جو کھلی تحریف ہے۔ ہم ان کو دعوت دیتے ہیں (کہ وہ اسلامی فقہ کے اس عظیم ذخیرہ کا مطالعہ کریں)، لیکن وہ اس عظیم الشان دین کو سمجھنے اور اس کی تعلیمات سے بہرہ ور ہونے سے قاصر ہیں۔

ان مستشرقین میں انصاف پسند بہت کم ہیں۔ یہ بے شک اسلامی فقہ کو کماحقہ، سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ وہ انسانوں کے لئے ایک عادلانہ قانون ہے۔ جو

۱۔ واضح رہے کہ بنو امیہ کے عہد میں اندلس کے مسلمان یلغار کرتے ہوئے ۷۳۲ء میں فرانس کے وسطی شہر تور (Tours) تک پہنچ گئے تھے جو پیرس سے تقریباً ۱۵۰ میل جنوب میں ہے۔ اور فرانس کی مشرقی سرحد میں لیون (Lyons) تک کا علاقہ فتح کرلیا تھا۔ اس کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کے دور میں مسلمان جب مشرق کی طرف سے یورپ پر حملہ آور ہوئے تو وہ ۱۶۸۳ میں وسطِ یورپ تک پہنچ گئے اور آسٹریا کے دارالحکومت ویانا (Vienna) کا محاصرہ کرلیا۔ (معراج محمد)

اس دنیا میں مزید۔قانون سازی کے لئے بہترین مواد فراہم کرتا ہے۔ لیکن جب بھی اس عظیم فقہ اسلامی نے اس منزل کی طرف چلنے کے لئے راستہ بنایا تو یورپ میں وہاں کے خود غرضوں نے اس کے راستے میں کانٹے بچھائے اور دوسری رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کیں تاکہ وہ اپنی قوموں کو اس کے قبول کرنے سے باز رکھیں، بے شک مسلم علماء کی رہنمائی اور طالبین حق کی کوششوں سے اتنا تو ہوا کہ قانون سے متعلق بعض (عالمی و بین الاقوامی) کانفرنسوں میں منکسرانہ انداز میں چند ایسی قرار دادیں پیش ہو کر منظور ہوئیں جن میں اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا کہ شریعتِ اسلامی ایک منفرد و مستقل نظامِ قانون ہے جس کو حالاتِ حاضرہ پر منطبق کیا جاسکتا ہے اور یہ معاشرہ کی بیماریوں کے علاج اور ان کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

یہ قرار داد بے شک منکسرانہ ہے کہ اس میں صرف اس کے صلاحیت رکھنے کا اعتراف کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ایسی ابتداء ہے جو لامحالہ اس کو اپنی انتہا اور منطقی نتیجہ تک پہنچا کر رہے گی۔ مثل مشہور ہے کہ "بارش کے وقت پہلے بوندا باندی ہوتی ہے، پھر موسلادھار بارش ہونے لگتی ہے۔"

(جاری ہے)

علم و عرفان کا کارواں رواں دواں رہے

مجلّہ فقہ اسلامی کے ذریعے خدمت دین کا کام خوب ہے، ہماری دعا ہے کہ علم و عرفان کا یہ کارواں رواں دواں رہے۔ ﴿آمین﴾

محمد طاہر زرگر، دریا آباد کراچی